© rasailojaraid.com

حدیث بخاری پر جرح کا تنقیدی جائزہ

پروفیسر قاضی مقبول احمد

لن یفلح قوم ------- الخ

دوسرا اعتراض

ایک محترم نے فرمایا ہے کہ زیر نظر حدیث خبر واحد ہے..... اور یہ کہ اس بات پر کم و بیش سب ناقدین حدیث کا اتفاق ہے کہ خبر واحد کا فائدہ علمی اور یقینی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے..... خبر واحد سے چونکہ یقینی علم حاصل نہیں ہوتا اس لئے اس کا اتباع روا نہیں۔ اس سے صرف ظن کا فائدہ ہوتا ہے اور ظن کی پیروی سے منع کیا گیا ہے.....

خبر واحد کے متعلق جو کچھ اوپر کی عبارت میں فرمایا گیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ صدیوں سے خبر واحد پر یہ نظر کرم فرمائی جا رہی ہے۔ اسلام میں جب کئی باطل فرقوں نے جنم لیا' خوارج' معتزلہ' صوفیاء و متکلمین کا ظہور اور عروج ہوا تو ان کے فاسد خیالات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ احادیث تھیں اور چونکہ احادیث کی غالب ترین تعداد اخبار آحاد پر مشتمل ہے اس لئے انہوں نے سب سے پہلے خبر واحد ہی کو ہدف بنایا پھر فقہ اور حدیث کے نام پر جب تقلید شخصی کا فتنہ پیدا ہوا تو بھی اس کی راہ میں خبر واحد ہی رکاوٹ بنی' لہٰذا مقلدین نے اس مصیبت سے راہ نجات پانے کے لئے اپنی ساری نظر کرم خبر واحد پر ہی مبذول فرما دی۔ فقہاء احناف نے خبر واحد کو قبول کرنے کے لئے تقریباً ایک درجن ایسی شرائط لگائی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے صحیح سند کے ساتھ مروی کسی خبر واحد کے قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے یہ شرائط اپنے فقہی مسائل کو تحفظ دینے کی خاطر لگائی ہیں ورنہ ان کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ جب وہ مرسل روایت کو قبول کرتے ہیں۔ اسے حجت تسلیم کرتے ہیں جو کہ ایک قسم کی منقطع روایت ہوتی ہے۔ تدلیس کو عیب نہیں سمجھتے نہ اسے جرح قرار دیتے ہیں تو پھر اس بات کا کوئی اخلاقی اور اصولی جواز ان کے پاس نہیں کہ وہ صحیح سند سے مروی خبر واحد کو بالجملہ مسترد کر دیں۔ اس ساری گزارش کا مقصد یہ ہے کہ خبر واحد ہمیشہ اہل الاھواء کی کشتہ ستم رہی ہے اور محافظین حدیث ہمیشہ اس کے تقدس کو پامال کرنے والوں کا محاسبہ کرتے رہے ہیں اور ان کے زعم باطل پر ضرب کاری لگاتے رہے ہیں۔ **جزاھم اللہ خیر الجزاء**

جہاں تک ان وجوہات کا تعلق ہے جن کو فرد واحد کے عدم قبول کے لئے وجہ جواز بتایا گیا ہے ان کی حیثیت بیت عنکبوت سے زیادہ نہیں اس طرح تو احادیث کا تقریباً سارا ذخیرہ ہی ردی قرار پاتا ہے کیونکہ متواتر احادیث کی تعداد بہت کم ہے جبکہ غالب ترین اکثریت صرف اخبار آحاد کی ہے اور خبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واحد ظن ہے اور ظن کی پیروی سے منع کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریباً ۹۰ فیصد سے زائد احادیث کی پیروی سے شریعت نے خود ہی منع کر دیا ہے۔ آخر ان دانشوروں اور منکرین حدیث میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ظن کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہے۔ ظن بمعنی کذب اور ظن بمعنی گمان غالب۔ ظن بمعنی کذب کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اما کم والظن ان الظن اکذب الحدیث (بخاری)

ظن سے پرہیز کرو یہ جھوٹی ترین بات ہے۔

ہر وہ نظریہ، خیال رائے، فتویٰ، قول اور اجتہاد جو "علم" سے متصادم ہے وہ ظن ہے اور کذب ہے۔ اس کی پیروی حرام ہے۔ اور علم صرف کتاب و سنت ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید اور حدیث کے مخالف ہر قول خواہ حدیث متواتر ہو یا خبر واحد، ظن بمعنی کذب ہے۔ جب کہ کوئی ایک بھی قابل ذکر محدث، فقیہ اور عالم دین ایسا نہیں گزرا جس نے خبر واحد کے علم ہونے کا انکار کیا ہو۔ اگر خبر متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے تو خبر واحد سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔ بہرحال علم دونوں ہی ہیں درجات میں تفاوت ہے مگر اصل میں برابر ہیں۔ قرآن مجید میں سنت کو علم قرار دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و فضائل میں فرمایا۔

یعلمھم الکتاب والحکمۃ

"وہ (نبیؐ) انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی"

حکمت سے مراد سنت ہے۔ لہٰذا خبر واحد کے علم ہونے سے انکار ناممکن ہے۔ قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہے۔

لا تقف ما لیس لک بہ علم

"وہ بات مت کہو جس کا تمہیں علم نہیں"

اگر خبر واحد علم نہیں تو عہد صحابہ سے لے کر فقہاء اور محدثین اور اس کے بعد کے علماء تک کیا سب لوگ خبر واحد کو بیان کر کے اس آیت کی مخالفت کرتے رہے ہیں؟ اور اپنی کتب میں خبر واحد کی تخریج کر کے (نعوذ باللہ) کذب کی ترویج و اشاعت فرماتے رہے ہیں؟ کوئی فاتر العقل انسان ہی ایسا تصور کر سکتا ہے کسی معقول اور ذرہ بھر فہم و شعور رکھنے والا ایسی بے خبر بات نہیں کر سکتا۔ لہٰذا خبر واحد علم ہے۔ اور اس کے خلاف ہر قول ظن ہے۔ خبر واحد کی موجودگی میں ظن کی پیروی کذب کی پیروی کے مترادف ہے لہٰذا اس ظن کی اطاعت منع ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کے عہد میں خبر واحد کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک طوفان بپا تھا لہٰذا انہوں نے بھی اس حقیقت کو بعض مقامات پر بڑے خوبصورت پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ کتاب المیراث میں سب سے پہلے یہ ہی مذکور الصدر حدیث ایاکم والظن بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد حضرت فاطمہ الزہراؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے درمیان میراث کی تقسیم پر جو تنازعہ پیدا ہوا تھا اس کا ذکر فرمایا۔ حضرت فاطمہؓ نے بحیثیت بیٹی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے حصہ مانگا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس مطالبہ کے جواب میں یہ حدیث پیش فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے ان کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے" یہ حدیث خبر واحد ہے مگر حضرت فاطمہؓ اس سے اگرچہ مطمئن نہیں ہوئیں لیکن حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ نے اپنی اپنی خلافت کے زمانہ میں اس خبر واحد پر ہی عمل کیا لہٰذا امام بخاری کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی خبر واحد کے مقابلہ میں حضرت فاطمہ کا موقف محض ظن پر مبنی ہے اور شریعت میں ایسے ہی ظن سے منع فرمایا گیا ہے۔

حضرت امام بخاریؒ اس سے ایک دوسری حقیقت بھی واضح فرمانا چاہتے ہیں کہ تمام صحابہ' تابعین' تبع تابعین اور فقہاء و محدثین نے حضرت فاطمہؓ کے موقف کو تسلیم نہیں کیا حالانکہ ظاہر قرآن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیٹی کو اس کا حصہ ملنا چاہئے۔ قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے کہ

"اگر عورتیں (بیٹیاں) دو سے زائد ہوں تو ان کے لئے کل ترکہ کا دو تہائی ہے اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے نصف حصہ کل ترکہ کا ہے۔"

معلوم ہوا کہ بالاجماع خبر واحد کے مقابلہ میں ظاہر قرآن پر عمل ظن اور کذب پر عمل کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا فقہاء احناف نے خبر واحد کی قبولیت کے لئے جو یہ شرط لگائی ہے کہ وہ ظاہر قرآن کے مخالف نہ ہو عذر ہے اور اخبار آحاد کی موجودگی میں انہوں نے جن مسائل میں ظواہر قرآن پر عمل کیا ہے وہ عمل علم پر نہیں بلکہ ظن بمعنی کذب پر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ خبر واحد کو جو ظنی کہا جاتا ہے وہ ظن بمعنی کذب نہیں جس کی پیروی منع ہے بلکہ وہاں ظن کا اور معنی ہے اور وہ گمان غالب ہے۔ جو کذب سے بہت بلند تر مگر یقین سے قدرے کمتر ہوتا ہے۔ اگر یہ معنی نہ لیا جائے تو نہ صرف پورے اسلام کی عمارت زمین بوس ہو جائے گی بلکہ پوری دنیا میں مسلمہ قواعد کی دھجیاں بھی بکھر جائیں گی۔ اور پورا عالمی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ :۔

----- قرآن مجید اگرچہ باعتبار ثبوت قطعی ہے۔ اس کی ہر آیت کے متعلق یقین ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے مگر اس کی آیات باعتبار معانی دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ آیات ہیں جن کا معنی بھی قطعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یقینی ہے۔ اس میں کسی تاویل یا دوسری رائے کی کوئی گنجائش نہیں۔ مثلاً آیت میراث میں جو نصف چوتھائی' تہائی اور دو تہائی حصے مقرر ہیں وہاں نصف کا معنی نصف قطعی اور یقینی ہے۔ اس طرح چوتھائی تہائی اور دو تہائی بھی قطعی و یقینی معنی ہیں۔ دوسری وہ آیات ہیں جن کے معنی میں تاویل اور اختلاف کی گنجائش ہے۔ ان آیات کے یہ معنی قطعی نہیں بلکہ ظنی ہیں۔ مثلاً مطلقہ حائضہ عورت کی عدت تین قروء ہے۔ اب قروء کا لفظ ایسا ہے جس کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی۔ دونوں متضاد معنی ہیں جو بیک وقت قطعا مراد نہیں ہو سکتے۔ اس لئے فقہاء میں اختلاف ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے یا تین طہر۔ لہٰذا اس کا کوئی بھی معنی لیا جائے ظنی معنی ہے۔ اسی طرح حدود کی آیات میں جہاں زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ تو سو کا معنی قطعی ہے۔ اس کا معنی ۹۹ یا ایک سو ایک نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ آیت جس میں نکاح کا حکم ہے اس میں نکاح کا معنی محض عقد ہے یا وطی؟ تو یہ معنی ظنی ہے۔ قطعی کے مقابلہ میں ان آیات کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کا معنی ظنی ہے۔ اور جن آیات کے معانی قطعی ہیں وہاں بھی ان کا اطلاق جزئیات پر عموماً ظنی ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم قطعی ہے۔ زانی کو ۱۰۰ کوڑے مارنے کا حکم قطعی ہے۔ مگر بے شمار صورتوں میں جب کسی چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے یا زانی کو ۱۰۰ کوڑے مارے جاتے ہیں تو ان افراد کا چور یا زانی ہونا ظنی ہوتا ہے۔ اس بناء پر یہ بات انتہائی احمقانہ نظر آتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ ظن کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا خبر واحد حجت نہیں کیونکہ وہ ظنی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے یہاں ظن کا معنی وہ نہیں جو خبر واحد کے مخالفین بیان کرتے ہیں۔ بلکہ یہاں اس سے مراد ظن غالب ہے جو کہ واجب العمل ہوتا ہے۔

ہر مہذب اور شائستہ معاشرہ کی طرح اسلام نے بھی ایک بہت ہی منصفانہ نظام عدل قائم کیا ہے۔ دوسرے نظام ہائے عدل کی طرح اسلام میں بھی گواہی کو بڑی بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ عموماً دو گواہ' زنا کی صورت میں چار گواہ اور بعض صورتوں میں صرف ایک گواہ خواہ مرد ہو یا عورت مقرر کئے گئے ہیں قتل جیسے سنگین جرم میں صرف دو گواہ کافی ہیں۔ اکثر مقدمات میں جب جج کسی مجرم کو دو گواہوں کی گواہی پر سزائے موت دیتا ہے تو وہ یقین نہیں بلکہ ظن غالب کی بناء پر سزا دیتا ہے جس پر عمل لازمی ہوتا ہے۔ نکاح اور طلاق جس میں کسی پاک دامن عورت کی عزت و عصمت کا فیصلہ ہوتا ہے اس میں صرف دو گواہ کافی ہیں جو خبر واحد ہے۔ عدالت ظن غالب پر فیصلہ کرتی ہے۔ نومولود بچہ زندہ پیدا ہوا ہے یا مردہ اس پر صرف ایک عورت دایہ کی گواہی کافی ہے۔ صرف ایک دایہ کی گواہی پر بہت سے مسائل کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ جو صرف خبر واحد ہی نہیں خبر غریب بھی ہے اور ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی۔ اس نے کہا کہ فلاں مرد اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلاں عورت نے آپس میں نکاح کر لیا ہے جبکہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے یعنی یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک عورت کی بات پر دونوں میاں بیوی کا نکاح کالعدم قرار دے دیا۔ انہوں نے بہت کہا کہ صرف عورت کی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار فرمایا۔ اب جب وہ یہ بات کہتی ہے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ ایک عورت کی گواہی ظنی ہے مگر معلوم ہوا واجب العمل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک ایسا مدعی آیا جس کے پاس صرف ایک گواہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گواہ کے ساتھ مدعی سے حلف لیا اور فیصلہ کر دیا۔ یہ دلائل اس حقیقت کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ جب جان' مال اور عزت و آبرو کے فیصلے خبر واحد سے ہوتے ہیں اور ظن غالب پر ہوتے ہیں تو چونکہ وہ احادیث جو خبر واحد ہیں وہ بھی جس ظن کا فائدہ دیتی ہیں وہ ظن غالب ہے ان پر عمل کرنا لازم و فرض ہے۔ ورنہ ساری دنیائے اسلام کا نظام عدل تہ و بالا ہو جائے گا۔ قرآن کی اکثر آیات متروک قرار پائیں گی اور احادیث کا بیشتر ذخیرہ بھی دریا برد کرنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد اسلام کہاں باقی رہ جائے گا۔

جن حضرات کو قانون شہادت کا ادنیٰ سا بھی علم ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شہادت کی دو مشہور قسمیں ہیں۔ اول براہ راست شہادت جس میں گواہ اپنی آنکھوں دیکھا یا کانوں سنا حال بیان کرتا ہے۔ دوسری واقعاتی شہادت اس میں براہ راست کوئی گواہ نہیں ہوتا بلکہ حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ واقعہ کیا ہوا کیسے ہوا یا ملزم اس واقعہ میں مجرم ہے یا نہیں؟ دنیا بھر میں اس واقعاتی شہادت کو تسلیم کیا گیا ہے خود اسلام نے بھی واقعاتی شہادت کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ واقعاتی شہادت کی ایک مثال تو خود قرآن مجید نے یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے معاملہ میں بیان کی۔ عزیز مصر کی بیوی نے الزام لگایا اس کے حق میں بھی واقعاتی شہادت تھی۔ دونوں کا ایک کمرہ میں ہونا دروازہ کا بند ہونا۔ اس واقعاتی شہادت سے حضرت یوسفؑ پر الزام ثابت ہوتا نظر آتا تھا جبکہ دوسری واقعاتی شہادت یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ کی قمیض سامنے کی بجائے پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ چونکہ یہ زیادہ قوی شہادت تھی لہٰذا عزیز مصر کی بیوی کے مقابلہ میں حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی سب پر آشکار ہو گئی۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مسائل میں واقعاتی شہادت پر اعتماد کیا۔ خلفاء راشدین نے اس کا اعتبار کیا۔ اسلام کے معروف قاضیوں نے واقعاتی شہادت کی بنیاد پر فیصلے کئے۔ واقعاتی شہادت کو عموماً" دوسرے درجہ کی شہادت قرار دیا جاتا ہے۔ مگر بعض اوقات براہ راست شہادت یعنی اعتراف اور دو یا چار گواہوں کی گواہی کے مقابلہ میں اس پر اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ کیا جاتا ہے اور براہ راست شہادت کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کا واقعہ کتب حدیث نسائی وغیرہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکور ہے۔ کہ دو عورتوں میں سے ایک کا بچہ جنگلی جانور اٹھا کر لے گیا دوسرے بچے کے متعلق دونوں عورتوں میں تنازع پیدا ہو گیا ہر ایک کہتی میرا ہے۔ اور جس بچے کو بھیڑیا لے گیا ہے وہ دوسری کا ہے۔ حضرت داؤدؑ نے عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کیا۔ پھر یہ مقدمہ حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے ہر ایک کو آدھا آدھا دے دیتا ہوں۔ بڑی عورت نے کہا ٹھیک ہے۔ ایسا کر دیں مگر عمر میں جو چھوٹی تھی اس نے اعتراف کر لیا کہ بچہ میرا نہیں بڑی کا ہے۔ اسے دے دیا جائے۔ اس اعتراف کے باوجود حضرت سلیمانؑ نے بچہ چھوٹی کو دے دیا۔ اسی بناء پر امام نسائی نے اس حدیث پر یہ باب باندھا۔

"جب حاکم کو معلوم ہو جائے تو وہ اعتراف کے برخلاف مدعی علیہ کے حق میں فیصلہ کر سکتا ہے۔"

اسی طرح اگر ملزم واقعاتی شہادت سے ثابت کر دے کہ وہ بے گناہ ہے تو دو یا چار گواہوں کی گواہی ساقط الاعتبار قرار پاتی ہے۔ بدکاری اور زنا کے الزام میں اگر ایک لیڈی ڈاکٹر رپورٹ دے دے کہ خاتون بے داغ ہے تو حد نافذ نہ ہو گی اور چاروں گواہ مسترد کر دیئے جائیں گے۔ گویا واقعاتی شہادت الزام کے ثبوت یا عدم ثبوت میں اہم کردار ادا کرتی ہے لیکن بایں ہمہ یہ سب ظنی چیز ہے۔ مزید قابل غور بات یہ ہے کہ اخلاقی انحطاط کی وجہ سے اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ اگر جج نے کسی شخص کو اپنی آنکھوں سے جرم کرتے دیکھا ہو تو وہ اپنے اس علم کی بنیاد پر جو قطعی اور یقینی ہے ملزم کو سزا دینے کا مجاز نہیں۔ اسے صرف شہادت پر فیصلہ کرنا ہو گا۔ اگر شہادت سے جرم ثابت نہیں ہوتا تو جج اس امر کا پابند ہے کہ اس ملزم کو بری کرے اور اپنے یقینی علم پر اسے سزا نہ دے یہ یقین کے مقابلہ میں ظن کی پیروی ہے۔ اس تمام تر گفتگو کا حاصل یہ ہوا کہ خبر واحد کو اگر ظنی قرار دے کر ناقابل عمل قرار دیا جائے گا تو ساری شریعت ہی ناقابل عمل قرار پائے گی۔ قرآن مجید کی اکثر آیات کے معانی ظنی ہیں۔ جزئیات پر ان کا اطلاق ظنی ہے۔ ۹۰ فیصد سے زیادہ احادیث ظنی ہیں۔ فقہاء کے اجتہادات ظنی ہیں۔ محدثین کے استنباطات ظنی ہیں۔ سارا عدالتی نظام ظنی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس ظن کی پیروی سے منع کیا گیا ہے وہ اور ہے اور جس ظن پر عمل کو لازم قرار دیا گیا ہے وہ اور ہے۔ اور وہ ہے ظن غالب جس پر ساری شریعت اسلامی بلکہ ساری دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ لہٰذا ابو بکرہؓ کی حدیث اگرچہ خبر واحد ہے ظنی الثبوت ہے لیکن چونکہ اس کے راوی ایسے لوگ ہیں جن پر کوئی مدلل جرح نہیں وہ عادل، ضابط ہیں۔ سند متصل ہے لہٰذا غریب ہونے کے باوجود صحیح ہے۔ جیسا کہ دیگر غریب احادیث صحیح ہیں آخر میں اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی بھی حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک "متن" حدیث کا یہ حصہ وہ ہوتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کا ذکر ہوتا ہے۔ محدث یا فقیہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ متن صحیح ہے۔ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہے۔ اور پھر اس دعویٰ پر سند کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ تو گویا سند بذات خود دعویٰ صحت نہیں۔ دعویٰ صحت کی دلیل ہے۔ اسی دلیل کا دوسرا نام "بینہ" ہے۔ ہر وہ علامت' اثر' ثبوت اور دلیل جو اظہار حق کرے وہ "بینہ" ہے۔ کہیں یہ بینہ دو افراد کہیں چار افراد کی گواہی ہے۔ کہیں ایک عورت اور کہیں دو عورتوں کی گواہی ہے۔ کہیں صرف اعتراف ہی کافی ہے اور کہیں واقعات "بینہ" قرار پاتے ہیں۔ کہیں محض حلف اور کہیں حلف سے انکار بینہ ہے اور اس دلیل' شہادت اور "بینہ" کے مطابق عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ شریعت نے شبہ کو بھی اہمیت دی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبہ کی بنیاد پر حدود کو ساقط کر دو اس لئے نہ صرف اسلامی شریعت بلکہ ہر مہذب قانون عدل میں شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جاتا ہے۔ حالانکہ شبہ کا درجہ ظن غالب سے کہیں کمتر ہے۔ مگر معتبر ہے۔ تو کیا خبر واحد جس کی صحت پر محدثین کی ایک کثیر جماعت کا اتفاق ہے اس کی اتنی اہمیت بھی نہیں جتنی شبہ کی ہے۔ ایک عورت کی شہادت کی یا واقعاتی شہادت کی ہے۔ اسی بات پر امام محمد بن ادریس شافعی نے امام محمد کو لاجواب کیا تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر حدیث ابی بکرہؓ خبر واحد ہونے کے باوجود حجت ہے' قابل عمل ہے اور اس کے متن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت صحیح ہے کہ سند کی صحت ظن غالب کا فائدہ دیتی ہے۔ اور اس کو خبر واحد کہہ کر اس کی تحقیر کرنا' اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنا مغالطہ آمیزی اور ذہن و فکر کی عیاری ہے۔

تیسرا اعتراض

اگرچہ یہ کوئی ایسا اعتراض نہیں جسے لائق اعتنا سمجھا جائے مثلاً یہ کہنا کہ اس بخاری کی روایت کے تمام راوی بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ اس کو تمام صحابہ میں سے صرف حضرت ابو بکرہؓ نے روایت کیا۔ یا یہ کہ اس کے راوی تمام مراحل میں ایک سے زائد نہیں۔ یہ سب اعتراضات محض علمی افلاس کے مظہر ہیں۔ یا معترض کی کج فہمی کی دلیل ہیں فن روایت کے تمام نقاد نے بلا استثناء کبھی بھی اس بات کو جرح قرار نہیں دیا کہ فلاں روایت کے راوی چونکہ صرف ایک ہی شہر یا علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں لہذا محض اس بنا پر یہ روایت ناقابل قبول ہے۔ کسی حدیث کی صحت کا دارو مدار اس کے راویوں کی صفات پر موقوف ہے۔ یا اس میں کسی علت غامضہ کے ہونے یا نہ ہونے پر۔ اب چونکہ حدیث ابی بکرہؓ کے تمام راوی اصول حدیث کے مطابق معتبر' معتمد' ثقہ اور ضابط ہیں (جیسا آئندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفصیلاً" بیان ہو گا) اس میں کوئی علت غامضہ نہیں لہٰذا راویوں کا محض بصری ہونا کوئی جرح نہیں اور نہ اس قسم کی جرح کبھی کسی روایت پر کی گئی ہے۔ کئی اسناد ایسی ہیں جو محض کوفی راویوں سے مروی ہیں ان کو سب نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک قول امام مسلم نے نقل کیا ہے جس کے سب راوی کوفی ہیں۔

ابو سعید الاشج (عبداللہ بن سعیدؒ) وکیع۔ اعمش۔ مسیب بن رافع۔ عامر بن عبدة

یہ سب کوفی ہیں۔

اس طرح امام شعبی کا ایک قول نقل فرمایا ہے جس کے تمام راوی کوفی ہیں۔ "ابو عامر اشعری، ابو اسامہ، مفضل، مغیرہ۔

ان دونوں اسناد سے امام مسلم نے استدلال کیا ہے۔ کسی نے امام مسلم پر اعتراض نہیں کیا۔ اور کوئی عقل مند ایسا کر بھی نہیں سکتا۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے جو احادیث کوفہ میں بیان کیں ظاہر ہے ان کے راوی کوفی ہی ہوں گے۔ یہ معاملہ دوسرے صحابہ کرام کا ہے۔ جب ابو بکرہؓ چودہ ہجری سے لے کر سنہ ۵۹ھ تک بصرہ میں رہے ہیں اور حسن بصری نے بھی یہ روایت ان سے بصرہ میں سنی ہے اور وہ بھی تاحیات بصرہ میں ہی رہے ہیں تو ظاہر ہے اس حدیث کے راوی بصری علماء ہی ہوں گے۔ اور امام بخاری نے یہ حدیث بصرہ میں ہی اپنے قیام کے دوران عثمان بن ہیثم سے سنی۔ یہ اعتراض اس بناء پر بھی جاہلانہ ہے کہ محدثین کے نزدیک حرمین کے بعد سب سے زیادہ معتمد اور معتبر سند اہل بصرہ کی ہی سمجھی جاتی ہے۔ شیخ الاسلام امام تقی الدین احمد بن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

"اتفق اہل العلم بالحدیث علی ان اصلح الاحادیث ما رواہ اہل المدینۃ ثم اہل البصرہ ثم اہل الشام)

(علوم الحدیث ڈاکٹر صبحی صالح ص ۱۵۵)

"علمائے حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحیح ترین احادیث وہ ہیں جو اہل مدینہ سے مروی ہوں۔ اس کے بعد جو اہل بصرہ روایت کریں اور پھر جو اہل شام سے منقول ہوں۔"

خطیب بغدادی فرماتے ہیں۔

"احادیث کی بہترین اسناد وہ ہیں جو اہل حرمین سے منقول ہوں کیونکہ ان میں تدلیس کم ہے۔ کذب اور وضع حدیث ان میں نہ ہونے کے برابر ہے۔"

اہل یمن کی روایات جید اور صحیح ہیں۔ مگر بہت کم ہیں اور اہل بصرہ کے پاس ثابت شدہ اور صحیح احادیث ہیں جن کی اسناد بالکل واضح ہیں اور ایسی احادیث دوسروں کے پاس نہیں ہیں (ایضاً)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کی روایت کے راوی اگرچہ تمام بصری ہیں لیکن بصری سند کا شمار چونکہ صحیح ترین اسناد میں کیا جاتا ہے لہٰذا یہ روایت بھی صحیح ترین روایات میں سے ہے اور معترض کا اعتراض کم فہمی کا غماز ہے۔

یہ اعتراض بھی ریت کے گھروندے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ کہ یہ حدیث چونکہ غریب (جس کا ہر دور میں صرف ایک راوی ہو) ہے اور غریب روایات کے قبول کرنے سے عموماً علماء نے منع کیا ہے لہٰذا یہ روائت بھی ناقابل قبول ہے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ بلا امتیاز غریب حدیث قابل استدلال نہیں ہوتی مگر جس غریب حدیث کی صحت پر ائمہ حدیث کی غالب ترین اکثریت کا اتفاق ہو تو ایسی غریب روایت صحیح ہوتی ہے اور اس پر عمل واجب ہوتا ہے۔ بخاری کی تمام غریب احادیث صحیح ہیں۔ کیونکہ اب تک غرابت کے الزام یا اس جرح کی بنیاد پر کسی نے بخاری پر اعتراض نہیں کیا' مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے اور اس حدیث کا شمار اسلام کی تعلیمات میں بنیادی سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ نصف اسلام کا دارومدار اس حدیث کو قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت عمرؓ سے لے کر امام بخاری تک ہر سطح پر اس کا صرف ایک ہی راوی ہے اسی طرح بخاری کی آخری حدیث کلمتان خفیفتان .....الخ بھی غریب ہے کہ اس کا بھی راوی ایک ہی ہے۔ امام ضیاء مقدسی نے غرائب الصحیحین کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے دو صد احادیث بیان کی ہیں جن میں صحابی سے لے کر محدث تک ہر دور میں یا تو ایک راوی ہے یا کسی نہ کسی دور میں ایک ہی راوی پایا جاتا ہے۔ امام ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی نے شروط الائمۃ الخمسہ میں متعدد ایسی احادیث بیان کی ہیں جو بخاری میں ہیں اور غریب ہیں۔ حدیث "یذہب الصالحون الاولیٰ فالاول ...." الخ میں مرداس اسلمی صحابی سے صرف ایک راوی قیس اس کو روایت کرتا ہے۔ جاہلیت کے عہد میں سیلاب کے آنے کی حدیث اور ایک دیگر حدیث کا راوی قرن بن وہب مخزومی صحابی ہے۔ ان سے صرف ان کا بیٹا مسیب اور مسیب سے صرف ان کا بیٹا سعید بن مسیب روایت کرتا ہے۔ اس طرح اور کئی احادیث امام حازمی نے بیان فرمائی ہیں جو بخاری کی غرائب میں شمار ہوتی ہیں۔ ان سب کو پوری امت نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ اس لئے حدیث ابی بکرہؓ کا راوی اگر ہر دور میں ایک ہے تو یہ کوئی جرح نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔

© rasailojaraid.com